سُوْرَةُ النِّسَاء کی تفسیر Lesson 12: An-Nisa (Ayaat 123-134): Day 38

اگلی آیت دیکھیں؛

وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا‌ ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ﴿۱۲۵﴾ اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے۔ اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسوں (مسلمان) تھے اور خدا نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا (۱۲۵)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِن سے پیارا کون ہو گا۔ ان کو دیکھو۔ کبھی ہم خود پیارا لگنے کے چکر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور کبھی اپنے پیاروں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آؤ تمہیں بتاؤں پیارا کون ہے؟

اَسۡلَمَ : جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیا۔ دین کا سب سے پہلا اور بنیادی نقطہ یہی ہے۔ شروع میں انسان مسلم بنتا ہے۔ جب انسان اللہ کے آگے اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے۔

جب ہم سجدہ کرتے ہیں تو یہ سات ہڈیوں پر سجدہ تو ہوتا ہی ہے۔ ہمارا ماتھا، ہمارا چہرہ اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے۔ ہماری عقل اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ عاجزی سے جھک جائیں۔

"۔۔۔ جس نے حکم خدا کو قبول کیا۔۔۔" جب اللہ کی بات سُن کر ہم یہ کہہ دیں اچھا اللہ جی یہ آپ کا حکم ہے تو میں حاضر ہوں۔ یہ پہلا درجہ ہے۔

وَهُوَ مُحۡسِنٌ : پھر دوسرا درجہ کہ انسان محسن بن جائے، نیکو کار بن جائے۔

ایک حدیث کا خلاصہ ہے (اس حدیث کو اُمّ الحدیث کہتے ہیں کیونکہ اس میں دین کی خاص باتیں بتادی گئی ہیں) کہ جبرائیلؑ نے پوچھا احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اُسے نہیں دیکھ رہے (یہ تصور نہیں کر سکتے۔ یہ کیفیت طاری نہیں کر سکتے) تو یاد رکھو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

تقویٰ شروع میں کم ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے اس حال کو پہنچ جاتا ہے کہ انسان اللہ کو اپنے پاس محسوس کرنے لگتا ہے۔ انسان احسان کے درجے پر پہنچ جاتا ہے اور اُسے ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ میرا ربّ مجھے دیکھ رہا ہے۔ وہ اللہ کو خوش کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

محسن کے بعد تیسرا درجہ حَنِيفًا ہے۔ یہی شخص یکسو مسلمان اور صحیح راستے پر ہے۔

چوتھا درجہ خَلِيلًا کا ہے۔ دوستی میں سب سے اوپر کا درجہ خلیل کا ہے۔ یعنی محبت میں دِل خالی ہو جائے جس کو انسان تنہائی میں یاد کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ابرہیمؑ کو پہلے ہی دِن یہ درجہ نہیں دیا تھا۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو اِس کا اہل ثابت کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا، لوگو اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور ولی دوست بنانے والا ہوتا تو ابو بکر بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو بناتا بلکہ تمہارے ساتھی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ (صحیح مسلم:2383)

یعنی اللہ کے دین پر چلتے چلتے سلوک کا رشتہ بن جاتا ہے۔ سالک بھی اسی سے ہے۔ تصوف کی زبان میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مسلک لفظ بھی اسی سے ہے۔

اللہ کی بات مان لیں۔ اللہ کا حکم پڑھ لیں تو بول اُٹھیں۔ اللہ آپ نے ٹھیک کہا۔ اللہ کی مان لیں۔ سر جھکا دیں۔ خود سری ختم۔ عاجز بن جائیں۔ اللہ کسی آزمائش میں ڈال دے تو چاہے دل اور جسم کچھ اور کہیں۔ زبان یہی بولے کہ یا اللہ یہ تیری حکمت ہے۔ تیرے آگے سر جھکا ہوُا ہے۔

پھر انسان محسن بن جائے۔ اللہ کے کاموں کو خوبصورتی سے کرے۔ احسان والا معاملہ رکھے۔

بہترین کام کرنا ہے۔ دی بیسٹ سے کم پر کمپرومائز نہیں کرنا ہے۔ غلطی کوتاہی کی اللہ سے معافی مانگ لیں۔ اللہ کے رسولؐ کی اسوۂ حسنہ پر چلنا ہے۔ جو اپنے اعمال خالص اسی کے لیے کرے ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجالائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند دین حق اور ہدایت پر چلنے والا رسولؐ کی حدیث پر عمل کرنے والا ہر نیک عمل کی قبولیت کے لیے یہ دونوں باتیں شرط ہیں۔

حکم اللہ کا، طریقہ نبی پاکؐ کا، نیت اور کام میں اخلاص ہو۔ شریعت کے مطابق ہو۔ یہی احسان ہے۔

یعنی گھر میں اندر باہر سے ہر طرح کی صفائی ہو چکی ہے اور کچھ کہیں بھی کمی نہ ہو۔ دین کے کام کرنے والے جب محسن کے درجے پر پہنچیں گے تو کوئی بات ہو گی۔ پھر دین کی اصل خدمت ہو گی۔ ریاکاری سے بچائیں۔ اپنا عمل اللہ کو دکھائیں۔

پھر حنیفیت آجاتی ہے۔ جب آپ نے کسی کی بہترین دعوت کرنی ہو اور بہترین کھانا بنائیں۔

تو آپ اُس کو گھر والوں میں سے بھی کسی کو کھانے نہ دیں۔ چھپا کر رکھیں۔

یہی حنیف ہے۔ کہ میرے اعمال صرف میرا اللہ دیکھے۔ حنیف کا اُلٹا جنیف ہے۔ یعنی آپ یکسو ہو جائیں۔ ادھر اُدھر نہ دیکھیں۔ آپ کے دِل میں ایک سکون اُتر ہو جائے۔ آپ خلوصِ نیّت سے اللہ کو راضی کرنے میں لگ جائیں۔

پھر اگلا درجہ خلیل کا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ حنیف انسان بن جاتا ہے اور اللہ اُس بندے کو خلیل بنا لیتا ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے   یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

دین پر آنے کے بعد ہمیں ایک ہی تڑپ اور فکر لگ جاتی ہے کہ باقی لوگ بھی اللہ کے دین پر آ جائیں۔

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے کہا « لقد قررت عین ام ابراہیم » ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ (صحیح بخاری:4348)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیل اللہ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے تاکہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں یہاں کچھ نہ ملا خالی ہاتھ لوٹے جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلو تاکہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کے لے چلے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گئی آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ رہے تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا آٹا گوندھا روٹیاں پکائیں جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے آٹا کہاں سے آیا؟ جو تم نے روٹیاں پکائیں انہوں نے کہا آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزّوجل سے لایا ہوں ۔

اپنے اوپر لے کر دیکھیں۔ ہم اللہ کے کیسے دوست ہیں؟

ابھی تو ہم مسلم بن رہے ہیں۔ ہم میں سے ہر کوئی سوچے کہ میں کس درجے پر ہوں اور اپنے لئے دعائیں مانگیں۔ اپنے اندر شوق پیدا کریں کہ مجھے اللہ اپنا خلیل بنا لے۔ (انشاءاللہ)

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی شہادت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا، لوگو اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور ولی دوست بنانے والا ہوتا تو ابو بکر بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو بناتا بلکہ تمہارے ساتھی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ (صحیح مسلم:2383)

اور روایت میں ہے اللہ اعلیٰ واکرم نے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنالیا تھا اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کرلیا ہے۔ (صحیح مسلم:532)

ایک مرتبہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر تذکرے کر رہے تھے ایک کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا دوسرے نے کہا اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم بنایا، ایک نے کہا اور عیسیٰ علیہ السلام تو روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہے، ایک نے کہا آدم علیہ السلام صفی اللہ

اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر تشریف لائے سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا بیشک تمہارا قول صحیح ہے، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں اور آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں اور اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر میں حقیقت بیان کرتا ہوں کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ میں حبیب اللہ ہوں، میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں اور سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دینے والا ہوں اللہ میرے لیے جنت کو کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے قیامت کے دن تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام و عزت والا ہوں یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور سچائی کو معلوم کرانے کیلیئے میں تم سے کہہ رہا ہوں ۔

ہم میں سے ہر کوئی یہ سوچے ہم کیسے اللہ کے خلیل بنیں گے ؟

ابن ابی حاتم میں روایت ہے ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا واپس آئے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے پوچھا اے اللہ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے، پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنا دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنالیا ہے۔ (کسی کو اپنے کھانے میں شامل کر لیں تو اُس کھانے کا حساب آسان ہو جاتا ہے)۔

یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتایئے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ عزوجل کی قسم اگر وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں بھی ہوں گے میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی

باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گزاروں گا یہ سن کر ملک الموت نے کہا کہ وہ شخص خود آپ ہیں۔
آپ نے پھر دریافت فرمایا کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہاہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت
فرمایا کہ آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بناپر کن کاموں پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے
نے فرمایا اس لیے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور خود کسی سے کچھ طلب نہیں کرتے۔

ہم سب اپنا جائزہ لیں۔

اور روایت میں ہے۔ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ نے ملقب کیا تب سے تو ان کے دل میں اس قدر خوف رب اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرندے کے پرواز کی آواز۔

صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی وارد ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا خوف آپ پر غالب آجاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے اس طرح دور و نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیا کے کھولنے کی آواز ہو ۔(سنن ترمذي:322، قال الشيخ الألباني: صحيح)

اور یہ رَبّ وہ ہے جو تمام جہانوں کا ملک ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾

اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے۔ اور خدا ہر چیز پر احاطے کئے ہوئے ہے (۱۲۶)

اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے، مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں، ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

اگلی آیات میں تھوڑا سا موضوع تبدیل ہو رہا ہے۔ اِن کا تعلق سورۃ کے شروع کے سوالات سے ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ (اے پیغمبر) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ خدا تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم اس کتاب میں پہلے دیا گیا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کو تم ان کا حق تو دیتے نہیں اور خواہش رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کر لو اور (نیز) بیچارے بیکس بچوں کے بارے میں۔ اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو۔ اور جو بھلائی تم کرو گے خدا اس کو جانتا ہے (۱۲۷)

يَسْتَفْتُوْنَكَ : اس میں لفظ فتویٰ چھپا ہوُا ہے۔

یعنی اللہ اس بات کو اہمیت دیتا ہے اور عورتوں کے بارے میں تمھیں یہ حکم دیتا اور تمہارے لئے فتویٰ "يُفْتِيْكُمْ " یعنی وضاحت کرتا ہے۔

یعنی ایک تو ہے۔ ' يَسْئَلُوْنَكَ ' یعنی سوال کرنا۔ قران پاک میں تقریباً نو یا گیارہ آیات اس طرح شروع ہوتی ہیں۔ یعنی مجھے بات معلوم نہیں ہے آپ مجھے بتا دیں، نسبتاً ذمّہ داری کم ہے۔ دوسری بات ہے يَسْتَفْتُوْنَكَ۔ فتویٰ۔ کسی کے پاس علم ہو اور وہ حالات کے مطابق آپ کی صورتِ حال کو سمجھتے ہوئے آپ کو فتویٰ دے۔

فتویٰ دینے کے لئے علمی قابلیت اور صلاحیت کے ضرورت ہوتی ہے۔ ہر کوئی فتویٰ نہیں دے سکتا۔

طالب علم کو چاہئیے علم حاصل کرے۔ آپ کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ چلتے پھرتے فتوے نہ دیں۔

اگر کوئی کچھ پوچھے تو مناسب طریقے سے وضاحت کرکے قرآن وحدیث کا حوالہ دے دیا جائے۔

فِي الْكِتٰبِ : یہاں اس سے مُراد قرآن کی سورت ہے۔ بعض اوقات سورت کہہ کر اُس سے قرآن یعنی یہ کتاب بھی فرمایا گیاہے۔ عورت کے مسائل سورت کی آیت 3 میں بھی دیئے گئے ہیں۔

وہی معاشرہ ترقی کرتا ہے جہاں سب کے حقوق و فرائض کا خیال رکھا جائے۔ سورۃ کے آغاز میں یتیم بچوں اور عورتوں کے بارے میں کچھ سوال کئے گئے تھے۔

اب اگر کوئی یتیم کی دیکھ بھال کا ذمّہ لیتا تو پھر یہ مسئلہ تھا کہ کیا اُس بچے کو ماں سے جُدا کر دیا جائے؟

اگر ماں کو بھی ساتھ لے آئے تو پھر ماں سے کیا رشتہ ہو گا؟ اس لئے یہی حکم دیا گیا کہ اُس بیوہ سے شادی کرلو اور پھر یتیم کے پرورش کرو۔

"۔۔۔وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کو تم ان کا حق تو دیتے نہیں۔۔۔" یعنی اُن کو مہر ادا نہیں کرتے۔ " وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ " یا پھر جب اُس سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے خود رغبت نہیں رکھتے۔ اُن کی کہیں اور شادی نہیں کرتے کہ اُن کا مال کہیں اور چلا جائے گا۔

مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کا نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے اسے بھی اتنا ہی دے اور اگر ایسا نہ

کرے تو اسے چاہیئے اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع کی اسی مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ جب یہ دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا۔ تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔

یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیم لڑکی کا والی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کرے اگر وہ صورت شکل میں اچھی اور مالدار ہوتی اس سے خود آپ نکاح کرلیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضہ میں کرلیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔

آپ سے بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے والی وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مالدار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی محافظ نہیں ہوتا تھا ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کرلینے کی اجازت نہیں۔

سورۃ البقرہ آیت 220 میں اللہ نے فرمایا:۔۔ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ ٱلۡمُفۡسِدَ مِنَ ٱلۡمُصۡلِحِۚ وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ لَأَعۡنَتَكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۰) اور اللہ بگاڑنے والے کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈالتا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے (۲۲۰)

وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا‌ ؕ

وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ‌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ‌ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا

﴿۱۲۸﴾ اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تم میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں۔ اور صلح خوب (چیز) ہے اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیز گاری کروگے تو خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے (۱۲۸)

خَافَتۡ : اس میں ت مؤنث کی ہے۔ معنی خوف۔

بعول اس کا جمع۔ بَعۡلِهَا یعنی بال بچے۔ نُشُوۡزًا: زیادتی، ہر وقت رعب ڈالیں۔ بیوی کا ڈانٹے۔

اِعۡرَاضًا : معنی کہ لاپرواہ، کوئی خیال نہ رکھیں۔ یعنی ایسے شوہر جو گالیاں دیں بد تمیزی کریں۔ عورت سے پیار محبت نہ کریں۔

پیچھے عورتوں کی طرف سے زیادتی کی بات ہوئی تھی یہاں مردوں کی طرف سے عورت پر ظلم و زیادتی کی بات ہو رہی ہے۔ عورت کی خوبیاں صالحات اور قٰانتات ہوتی ہیں۔ وہ اگر بد تمیزی کرے کی بات پیچھے ہو چکی۔

اب اگر مرد ہر وقت ستائے۔ مہر معاف کروائے۔ بیوی سے کہے کہ والدین سے فلاں چیز مانگ کر لاؤ۔ بیوی کے حقوق پورے نہ کرے۔ بیوی پر اگر ظلم کرے تو یا تو وہ صلح صفائی سے خلع لے۔

بعض اوقات حق مہر معاف کر کے خلع لینا پڑتا ہے۔یا پھر کچھ لے دے کر معاملہ طے کرلو۔

اگر مرد کا مزاج خراب ہے لیکن اگر دینی لحاظ سے ٹھیک ہے تو پھر صلح ہی بہتر ہے۔"۔۔۔اور صلح خوب (چیز) ہے۔۔۔"اپنے مرد کے ساتھ گُزارہ کرلو۔

"۔۔۔ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ۔۔"ت مؤنث کی ہے۔ نفس کی جمع انفس ہے۔ہر بندہ اپنا فائدہ چاہتا ہے۔ہر انسان کی طبیعت میں اپنا فائدہ حاصل کرنا ہے۔یعنی بُخل ہے۔بیوی کا حق ادا کرو۔نرمی برتو۔ پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔تمہیں چاہیئے کہ خیر کے کام کرو۔فرماں برداری کرو اور نیک جزا حاصل کرو۔

لیکن اگر یہ نہ کر سکو تو پھر؛

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ‌ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾ اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا ادھر ہوا میں لٹک رہی ہے اور اگر آپس میں موافقت کرلو اور پرہیز گاری کرو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹)

اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرمارہا ہے کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔پس پہلی حالت میں جبکہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لیے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کرنا

چاہے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لیے جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا : قلبی میلان۔ یعنی دِلی طور پر ایک طرف زیادہ دِل جھکتا ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ ظاہری اور مالی طور پر عدل قائم رکھنا لازمی ہے لیکن اگر دل ایک طرف زیادہ جھکتا ہے تو اُس پر پکڑ نہیں ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری:10613: صحیح) آپ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کی باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ (صحیح بخاری:5068)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گزارتے۔

(سنن ابو داود:2135، قال الشیخ الألباني: صحیح)

آپؐ کو قلبی میلان کی وجہ سے سب سے زیادہ محبت عائشہؓ سے تھی۔

یہ ایسے ہی ہے کہ آپ کو اپنے سب بچوں میں سے شائد ایک سے فرمانبرداری کی وجہ سے زیادہ محبت ہو۔ یا سب بھائیوں میں سے ایک زیادہ پیارا ہے۔

کسی ایک سے دلی محبت یا پیار کرنا جائز ہے۔ لیکن عدل اور انصاف قائم رکھا جائے۔

یعنی بیوی کو لٹکا کر نہ رکھے۔ ایسا نہ کرو کہ نہ تو پیار کرے اور نہ ہی چھوڑے۔ درمیان میں رکھے۔

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شائد انہیں جدا کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمالیا۔

بخاری مسلم میں ہے کہ سودہؓ کا دن بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتے تھے۔ عروہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو بڑی عمر میں جب یہ خدشہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوری محبت ہے اگر میں اپنی باری انہیں دیدوں تو کیا عجب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں اور میں آپؐ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری:10613: صحیح)

یہی صورت اس وقت بھی ہے کہ جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔

بخاری شریف میں آتا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی

ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ (صحیح بخاری:2450)

یعنی اگر میاں بیوی ایک معاملے پر راضی ہو جائیں تو انہیں اجازت ہے۔

ہر وقت ایکدوسرے کو تنگ نہ کریں۔ ایک دوسرے کے حقوق پورے کریں۔

بعض اوقات مرد مظلوم ہوتے ہیں اور بعض اوقات مرد ظالم۔ یہی حال عورتوں کا بھی ہے۔

ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو اسے چاہیئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دیدے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری اس شق کو منظور کر لے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔

اس جملے کا ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کر دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے، یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ چھوڑے دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہو گا۔

پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں ہو عورتوں کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات برتو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو، اس کے باوجود اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

اَب ساری کوششیں کر لیں لیکن بات ہی نہیں بنتی تو کیا کریں؟

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ اور اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہو سکے اور) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو خدا ہر ایک کو اپنی دولت سے غنی کر دے گا اور خدا بڑی کشائش والا اور حکمت والا ہے (۱۳۰)

پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت بھی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دیدے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

اگر کہیں غلط جگہ رشتہ ہو گیا تو کچھ دیر رہ کر دیکھ لو۔ لیکن اگر ہر وقت لڑائی فساد رہے تو پھر اللہ کی حدود میں رہتے ہوئے جُدا ہو جائیں۔ اللہ يَّتَفَرَّقَا کی اجازت دیتا ہے۔

لڑکیوں کی اچھی تربیت کریں۔ تاکہ حقوق و فرائض کا خیال رکھیں۔

اگر خدانخواستہ طلاق ہو جائے تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ کوئی بہترین انتظام کردے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے۔ اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو بھی اور (اے محمد ﷺ) تم کو بھی ہم نے حکم تاکیدی کیا ہے کہ خدا سے ڈرتے رہو اور اگر کفر کروگے تو (سمجھ رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے۔ اور خدا بے پرواہ اور سزاوار حمد وثنا ہے (۱۳۱)

بہت خوبصورت انداز ہے۔ اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ مطلع کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے فرماتا ہے جو احکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو اس کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو بھی دیئے گئے تھے اور اگر تم کفر کرو) تو اللہ کا کیا بگاڑو گے ؟ (وہ تو زمین آسمان کا تنہا مالک ہے۔

اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے۔ وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کردے اور غیروں کو آباد کردے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور (پھر سن رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے اور خدا کارساز کافی ہے (۱۳۲)

یعنی اللہ تمہارا وکیل ہے۔ اللہ سب کا کارساز ہے۔ عورت بھی یہی بھروسہ رکھے۔

اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيۡرًا ﴿۱۳۳﴾

لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمہاری جگہ) اور لوگوں کو پیدا کر دے۔ اور خدا اس بات پر قادر ہے (۱۳۳)

یعنی نیک شوہر کی قدر کرو۔ ورنہ اللہ اس مرد کو تم سے اچھی بیوی دے گا۔ مرد کو بھی یہی نصیحت ہے۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۱۳۴﴾

جو شخص دنیا (میں عملوں) کی جزا کا طالب ہو تو خدا کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کے لئے اجر (موجود) ہیں۔ اور خدا سنتا دیکھتا ہے (۱۳۴)

یعنی گھریلو زندگی کو ہی زندگی نہ بنالو۔ ہم سب یہاں مسافر ہیں۔ گُزارہ کرلیں۔ مومن اس دُنیا کو فانی سمجھے۔ بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بنالو، عالی ہمتی اور بلند پردازی سے وسعت نظری کو کام میں لاکر عیش جاودانی کی کوشش و سعی کرو۔

ہمیں یہ دُعا کرتے رہنا چاہئیے: کہ» وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ -2) «البقرة: 201 (اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما۔ آمین

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ --- آج کے سبق میں سے خاص طور پر یہ سبق یاد رکھیں۔ اسی پر غور فکر کریں۔